جناب علیم ناصری لاہور (لاہور)

مجھے حضرت ابوذر بخاری مرحوم و مغفور سے ایک نسبتِ معنوی یہ بھی ہے کہ وہ شہداء بالاکوٹ کے والہ و شیدا تھے۔ وہ اپنی تقریر و تحریر میں ان عظیم ہستیوں کا ذکر بے پناہ قلبی گہرائیوں سے کیا کرتے تھے۔

انہوں نے علمی اور قلمی کام اپنے والدِ گرامی کی زندگی میں اور ان کے بعد جس جرأت و شجاعت اور عظمت و جلال سے سرانجام دیا وہ ایک یادگار ہے۔

کیا ایسے لوگ واقعی مر جاتے ہیں؟ اُن کا ذِکر ختم ہو جاتا ہے؟..... نہیں، ہر گز نہیں...... یہ لوگ اپنے اعمال و افکار اور عظمتِ کردار کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

اے ہمنفسانِ محفلِ ما
رفتید ولے نہ از دلِ ما

میاں محمد اسلم جان مجددی (لاہور):

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، بیک وقت حافظ قرآن، متبحر عالم، خطیب فصیح البیان، مقرر طلیق اللسان اور عربی، اردو، فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ خصائص و فضائل اور مکارم و مناقب میں حضرت امیر شریعت کا عکس تھے۔

مولانا فضل الرحیم (لاہور):

وہ ایک بے مثال خطیب تھے۔ ان کے بیانات سن کر قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔

مولانا سید محمد اجمل شاہ (ژوب، بلوچستان):

ان کی اچانک موت نے سامراج دشمن علماء کے کاروان بخاری کو یتیم کر دیا ہے۔

مولانا سلطان محمود ضیاء:

وہ اس عہد میں صحابہ کرام کے مشن کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔

قاری محمد حنیف جالندھری:

حضرت مولانا ابوذر بخاری کی زندگی ایک بیدار مغز، باخدا، اولوالعزم اور انقلابی قائد کی زندگی تھی۔ وہ ایسے قابل شاگرد تھے کہ ان کے استاذ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، ان کی ذہانت، خطابت اور علم و تحقیق پر فخر کرتے تھے۔ مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ "فصیح البیان" لکھا۔ وہ ان چند شخصیتوں میں بھی ممتاز تھے جنہوں نے اپنے اساتذہ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔

مولانا ایاز احمد حقانی (جامعہ اسلامیہ، شبقدر، سرحد):

انہوں نے مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے تحریکِ تحفظ ختم نبوت کے لئے مجاہدانہ کردار اداء کیا۔ ان کی دینی استقامت نسل نو کے لئے مینارۂ نور ہے

سرگزشت زندگی

مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو کراچی میں رحلت فرما گئے۔ ان کے سانحہ ارتحال پر برصغیر ہندو پاک کے علمی اور دینی حلقوں کی عمومی بے خبری، بے پروائی اور بے اعتنائی پر مبنی خاموشی بجائے خود ایک سانحہ ہے۔ افسوس، کہ "اسلام کا سیاسی نظام" "دینی نفسیات" اور "اظہارِ حقیقت" (بجواب خلافت وملوکیت) ایسی عدیم النظیر کتب کے مؤلف کے لئے بھی "قدر افزائی" اور "قدر دانی" کے روایتی رویے اور پیمانے تبدیل نہ کیا جا سکے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بجا طور پر مفکرِ اسلام، امام اہل سنت اور محققِ جلیل کہا گیا ہے۔ ان کے احوال و آثار کی حفاظت واشاعت، ایک دینی خدمت ہی نہیں علمی فریضہ بھی ہے۔ ادارہ "نقیبِ ختمِ نبوت" اس سلسلہ میں اپنا فرض ان شاء اللہ ادا کرتا رہے گا۔ ذیل میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے ایک یادگار تحریر نذر قارئین کی جارہی ہے۔ یہ تحریر حضرت جانشین امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی اس "فرمائش" کے جواب میں لکھی گئی تھی کہ..........

"آپ علماء و اکابر کے طریق پر اپنا مختصر سوانحی خاکہ، جسے عربی اصطلاح میں "ترجمہ" کہتے ہیں، تحریر فرما دیں۔ تاکہ احباب وقارئین کو آپ کے ذاتی، علمی اور مسلکی حالات کا مستند ذخیرہ میسر آجائے۔"

میری زندگی کی مختصر کہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ۔ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔

یہ میری زندگی کی مختصر کہانی ہے جس میں نہ کوئی ندرت ہے، نہ خصوصیت۔ اب جبکہ چراغِ سحر ہوں اور سفرِ آخرت کے لئے پا بہ رکاب، زادِ راہ سے تہی دستی کا احساس "زادِ راہ" ہے، اور بہ جز ندامت کوئی سرمایہ میرے پاس نہیں ہے۔

کٹ گئی غفلت میں ساری زندگی
زندگی پر اپنی ہے شرمندگی!

نام

میرا پورا نام محمد اسحٰق حسین ہے۔ والد مغفور کا نام محمد اشفاق حسین ہے۔ لیکن لوگوں نے اختصار کر کے صرف محمد اسحٰق کہنا شروع کر دیا اور اس کی شہرت ہو گئی۔ اور اب میں بھی صرف محمد اسحٰق ہی لکھتا ہوں کیونکہ یہی مشہور ہو چکا ہے۔ پورا نام لکھنے میں اشتباہ والتباس ہوتا ہے۔

خاندان

نسباً "شیخ صدیقی" ہوں۔ میری والدہ مرحومہ بھی صدیقی تھیں۔ اس لئے دادھیال اور نانہیال دونوں جانب سے صدیقی ہوں۔ میرا سلسلۂ نسب محمد ابن ابی بکر کے واسطہ سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تک پہنچتا ہے۔

تاریخ ولادت

بہ تاریخ ۲۴ صفر ۱۳۳۱ھ، ۲ فروری ۱۹۱۳ء بہ مقام لکھنؤ (یوپی۔انڈیا) پیدا ہوا۔

وطن

قصبہ سندیلہ میرا دادھیالی وطن ہے۔ یہ لکھنؤ سے اکتیس (۳۱) میل بہ جانب جنوب مغرب واقع ہے۔ کلکتہ سہارنپور کی مین ریلوے لائن پر لکھنؤ سے بہ جانب مغرب پانچواں اسٹیشن ہے۔ لکھنؤ میں میرا نانہیال ہے۔ والدہ مرحومہ کا وطن لکھنؤ تھا اور میرے نانہیالی خاندان کا شمار لکھنؤ کے قدیم ترین خاندانوں میں ہے۔ میرا قیام زیادہ تر لکھنؤ میں رہا۔ سندیلہ یا دوسرے مقامات پر قیام بہت کم رہا۔ گویا "ذو وطنین" ہوں۔ لکھنؤ میرا ذاتی وطن ہے اور سندیلہ آبائی وطن۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم مکان پر ہی حاصل کی۔ معلم صاحب کا قیام میرے مکان پر ہی ہوتا تھا۔ یا بعض معلمین نے بطور ٹیوشن مکان پر آکر پڑھایا۔ قرآنِ مجید ناظرہ، ابتدائی دینیات، فارسی، حساب اور قدرے عربی....... ان سب کی تعلیم مکان ہی پر رہ کر حاصل کی۔ ھدایۃ النحو تک پہنچا تو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوا اور دو سال وہاں پڑھا۔

اساتذہ

وہاں میرے اساتذہ مندرجہ ذیل حضرات تھے۔ (۱) مولانا شبلی صاحب اعظمی، یہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نہیں ہیں۔ اُن کا انتقال ۱۹۱۳ء میں ہوچکا تھا جو میرا سنہ پیدائش ہے۔ یہ مولانا شبلی اعظمی صاحب دوسرے بزرگ تھے۔ یہ حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کے دیکھنے والوں میں تھے۔ انہیں کے مدرسہ میں ان کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے مخصوص استاذ مولانا حفیظ اللہ صاحب مرحوم تھے جو علامہ عبدالحیؒ صاحب موصوف کے خاص شاگردوں میں تھے اور مدت دراز تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم رہے تھے۔ (۲) مولانا عبدالودود صاحب اعظمی، (۳) مولانا محمد سلیم صاحب بارہ بنکوی، (۴) مولانا عبدالرحمٰن صاحب نگرامی، (۵) مولانا سید علی صاحب زینبی امروہوی رحمھم اللہ

پھر درس نظامیہ کے شوق کیوجہ سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل ہوا اور وہاں سے درس نظامیہ دورۂ حدیث اور قراءاتِ سبعہ کی سند حاصل کی۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں مندرجہ ذیل حضرات اساتذہ سے تعلیم حاصل

کی۔ (٦) شیخ الحدیث و مفتیٔ مدرسہ مولانا مفتی ظہور احمد صاحب، (۷) مولانا محمد اسباط صاحب، (۸) مولانا قاری عبدالمجید صاحب رحمہم اللہ

فراغت

ربیع الاول ۱۳۵۴ھ / جون ۱۹۳۵ء میں، میں نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے درسِ نظامیہ، دورۂ حدیث اور قراءاتِ سبعہ (۷) کی سندِ فراغت حاصل کی۔ نیز افتاء کی تربیت حاصل کی۔

شغل طبابت

اس کے بعد لکھنؤ ہی میں طبِ عربی جو طبِ یونانی کے نام سے مشہور ہے کی تحصیل کی اور چند ماہ سندیلہ رہنے کے بعد کانپور چلا گیا اور وہاں تقریباً دو سال مطب کرتا رہا۔

بیعت

سی زمانہ میں حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوا۔ یہ ۱۳۵۷ھ یا ۱۳۵۸ھ، ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء کا سال تھا۔

حضرت تھانوی کے تین خلفاء سے اجازت بیعت و تعلیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہو گیا۔ لیکن میرا اصلاحی تعلق حضرت ہی کے ایماء پر حضرت کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ سے رہا، اور ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری خلیفہ حضرت حکیم الامت سے رہا اور ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا وصی اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے رہا۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ نے مجھے اجازت بیعت و تعلیم عطاء فرمائی نیز حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ خلیفہ حضرت حکیم الامت نے اجازت بیعت و تعلیم عطا فرمائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ سے میرا کوئی اصلاحی تعلق نہیں تھا۔ لیکن ممدوح نے از راہِ حسن ظن و شفقتِ بزرگانہ اجازت عطاء فرمائی تھی۔

ندوۃ العلماء سے تعلق

دورانِ قیام کانپور والد صاحب مرحوم کی علالت کی وجہ سے کانپور چھوڑ کر سندیلہ آ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی چند ہی دن کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا گرامی نامہ ملا۔ موصوف نے اولاً "اسلام کا سیاسی نظام" مرتب کرنے کی خدمت میرے سپرد کی۔ پھر چند ماہ بعد مجھے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں خدمتِ تدریس کے لئے بلا لیا۔ سنہ ہجری تو یاد نہیں۔ شمسی ۱۹۴۳ء میں، میں دارالعلوم ندوۃ سے وابستہ ہوا۔ وہاں درس و افتاء کے علاوہ مختلف اوقات میں دارالاقامہ کی نگرانی اور اہتمامِ دارالعلوم کی خدمات انجام دیں۔ جملہ علوم متداولہ کی کتب پڑھانے کا موقع ملا۔ لیکن جب مہتمم دارالعلوم مقرر ہوا تو صرف بخاری شریف کا درس دیتا تھا۔ اس لئے کہ پھر

اہتمام کی ذمہ داریوں کی وجہ سے درس و تدریس کے لئے مزید وقت نہیں ملتا تھا۔

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ کی صدارت

علاوہ بریں میں "مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ" کا کنوینر بھی منتخب ہوا تھا۔ علماء کی یہ مجلس نئے پیش آنے والے شرعی مسائل کو حل کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی اور اب تک قائم ہے۔ اس کا پہلا کنوینر میں ہی مقرر ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے افتاء اور خط و کتابت کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ اس لئے بھی تدریس میں کمی کرنی پڑی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے میرا تعلق تقریباً چھبیس (۲۶) سال رہا۔

پاکستان کی طرف ہجرت

ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ / دسمبر ۱۹۷۰ء میں جبکہ میں مہتمم دار العلوم تھا پاکستان کی طرف ہجرت کا ارادہ ہو گیا۔

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے تعلق

اسی مدت میں محبی علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ نے مجھے اپنے جامعہ میں آنے کی دعوت دی اور میں ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے منسلک ہو گیا۔ تقریباً تیرا (۱۳) سال جامعہ مذکور کی خدمت کرتا رہا۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ سے، جو اس وقت مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے موسوم و مشہور تھا، جب میں منسلک ہوا تو تخصص فی الفقہ کا درجہ میرے متعلق ہوا۔ میں اس کا مشرف (نگران) مقرر ہوا۔ اس کے علاوہ مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامیہ کا مجھے رکن بنایا گیا۔ تقریباً دو سال کے بعد تخصص فی الدعوۃ والارشاد کا نیا درجہ کھولا گیا۔ اور میں اس کا بھی مشرف (نگران) مقرر ہوا۔ مجلس مذکور کی رکنیت کے معنٰی یہ تھے کہ تصنیف و تالیف کا کام میرے ذمہ ہو گیا۔ لیکن مشرف تخصص فی الدعوۃ والارشاد کا کام بدستور باقی رہا۔ کچھ دن کے لئے عارضی طور پر جامعہ کے دار الافتاء میں مفتیٔ جامعہ کی خدمت بھی میرے متعلق رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ محبی مولانا مفتی ولی حسن صاحب (مفتیٔ جامعہ) عارضی طور پر مدرسہ ہی کے ایک دوسرے کام میں مشغول کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے اس مدت کے لئے میں نے افتاء کی خدمت انجام دی۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنی جگہ واپس آگئے اور میں اپنی جگہ واپس آگیا۔ تاہم افتاء کے کام میں بھی کبھی کبھی تعاون کرتا رہا۔

جامعہ بنوری ٹاؤن سے استعفاء

ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ / جنوری ۱۹۸۴ء میں وہاں سے مستعفی ہو گیا۔ استعفاء دینے سے جامعہ کے ساتھ میرا ضابطہ کا تعلق تو ختم ہو گیا مگر قلبی رابطہ بدستور باقی رہا اور اب تک باقی ہے۔ جامعہ کے اساتذہ اور ذمہ داران سے ملاقاتیں رہیں اور وہاں میری آمد و رفت ہوتی رہی۔ سب سے مخلصانہ تعلقات ہیں اور انشاء اللہ تادمِ مرگ باقی رہیں گے۔ جامعہ کے اساتذہ اور ذمہ دار حضرات اور طلبہ بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اخلاص باہم قائم ہے۔ ضابطہ کی علیٰحدگی کا کوئی اثر اس پر نہیں پڑا۔